نوم چومسکی

جرأت اظہار کا بے باک علم بردار

موجودہ دور میں امریکی سامراج کا سب سے بڑا دشمن

سی آئی اے دورِ حاضر کے سب سے بڑے دانش ور نوم چومسکی کے بارے میں خفیہ فائل تیار کرتی رہی ہے۔ چند روز قبل امریکی میڈیا کے ذریعے یہ خبر دنیا بھر میں پھیلی تو امریکی ایڈمنسٹریشن اور سی آئی اے کے کردار پر نظر رکھنے والوں کو زیادہ حیرت نہیں ہوئی۔ یہ گھناؤنا کردار ہمیشہ سے سی آئی اے کے خون میں شامل رہا ہے۔

نوم چومسکی کون ہیں، ظلم اور ناانصافی کے خلاف جدوجہد میں ان کا کیا مقام ہے، بدقسمتی سے پاکستان میں اس کی تفصیل سے کم ہی لوگ واقف ہیں۔ اس قسم کی ''بدقسمتیاں'' ہمارے مزاج کا حصہ بنتی جا رہی ہیں۔ ہماری پس ماندگی کا ایک اہم سبب اس قسم کی لاعلمی بھی ہے۔

دیکھتے ہیں، چومسکی کون ہیں۔

ہماری اس دنیا میں جہاں امریکی سامراج انسانی تہذیب کے چہرے پر طاقت کی سیاہی سے بدنما لکیریں کھینچ رہا ہے، پروفیسر نوم چومسکی کا نام ضمیر انسانی کی بیداری کا روشن ترین استعارہ بن چکا ہے۔ نوم چومسکی اس دور کے سب سے بڑے دانش ور ہیں، اس کا اعتراف امریکی اسٹیبلشمنٹ کا ہم نوا ''نیویارک ٹائمز'' بھی کرتا ہے، اگرچہ اس اخبار میں انہیں شاذ و نادر ہی باریابی نصیب ہوتی ہے۔

نوم چومسکی مشہور زمانہ میساچوسٹس انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی میں علم لسانیات کے پروفیسر ایمریٹس ہیں اور علوم و فنون سے وابستہ ماہرین کے درمیان اس نکتے پر کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس شعبے میں دنیا میں آج تک اس پائے کا عالم نہیں گزرا۔ انہوں نے Generative Grammar کا نظریہ پیش کیا، جو 20 ویں صدی میں ''نظری لسانیات'' کے میدان میں اپنی نوعیت کا سب سے منفرد اور انقلاب انگیز نظریہ ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے دماغ اور زبان کے مطالعے کے لیے چھٹے عشرے (50's) سے رائج Behaviorist طریقۂ کار کو رد کرتے ہوئے نفسیات کے شعبے میں فہم و ادراک کا ایک نیا انقلابی طریقۂ کار بھی متعارف کرایا ہے جس نے متعدد پرانے مغالطہ آمیز نظریات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے۔ علم لسانیات کی تعلیم میں فطرت پسندانہ طریقۂ کار وضع کر کے انہوں نے زبان اور دماغ کی فلاسفی پر بھی ان مٹ اثرات نقش کیے ہیں۔ اسی باعث انہیں نہ صرف بیسویں اور اکیسویں صدی بلکہ تمام ادوار کا سب سے بڑا ماہر لسانیات تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان کی اس علمی خدمت کے صلے میں انہیں جاپان کی جانب سے علم لسانیات کا سب سے بڑا ایوارڈ، جسے نوبل انعام کا ہم پلہ قرار دیا جاتا ہے، بھی مل چکا ہے۔ علم لسانیات میں ان کے وضع کردہ نظریات اس قدر طاقت ور اور ہمہ گیر ہیں کہ کمپیوٹر کی اعلیٰ تعلیم کے نصاب میں ان کے نظریات کا اطلاق ناگزیر حیثیت حاصل کر چکا ہے۔ انہیں اب تک نوبیل انعام (جسے وہ کسی خاطر میں نہیں لاتے) کیوں نہیں مل سکا، اس کا سبب صرف یہ ہے کہ وہ دنیا بھر کے عوام کے درمیان اپنے بے لاگ سیاسی نظریات کے باعث بہت مقبول ہیں اور مغرب کے صاحبان اقتدار کی نظر میں ان کا نام ناپسندیدہ شخصیات کی فہرست میں سب سے اوپر لکھا ہوا ہے۔ وہ موجودہ دور میں امریکی شہری ہوتے ہوئے امریکی سامراج کے سب سے بڑے دشمن ہیں اور ان کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ روزانہ انہیں دنیا بھر سے مداحین کی جانب سے لاکھوں ای میل روانہ کی جاتی ہیں۔ اسی باعث ان کا وجود وائٹ ہاؤس کے سینے میں پھانس کی طرح کھٹکتا ہے۔

پروفیسر نوم چومسکی خود کو ایک ''آزادی پسند سوشلسٹ'' قرار دیتے ہیں۔ علوم و فنون اور ہیومینٹیز کے نام ور افراد کی فہرست میں نوم چومسکی کو عصر حاضر کا سب سے بڑا عالم اور ان کے نظریات کی مقبولیت اور اثر پذیری کے اعتبار سے مجموعی طور پر تمام ادوار کا آٹھواں سب سے بڑا عالم شمار کیا گیا ہے۔ ایورام نوم چومسکی فلاڈیلفیا (امریکا) میں 7 دسمبر 1928 کو ایک یہودی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ولیم چومسکی، جو عبرانی زبان کے عالم تھے، یوکرین سے ہجرت کر کے امریکا میں آباد ہوئے، ان کی والدہ ایلسی چومسکی کا آبائی وطن بیلا رس تھا، لیکن اپنے شوہر کے برعکس وہ امریکا ہی میں پلی بڑھیں۔

نو سال کی عمر میں نوم چومسکی ہر جمعے کو رات کے وقت عبرانی ادب کا مطالعہ کرتے تھے اور رفتہ رفتہ انہوں نے عبرانی زبان پر اس قدر عبور حاصل کر لیا کہ بعد ازاں عبرانی زبان کی کلاسیں پڑھانے لگے۔ اس کے باوجود اور علم لسانیات میں اپنی گراں قدر تحقیقی تحریروں کے باوجود وہ انکسار کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں ''میں صرف انگریزی زبان ہی میں استعداد رکھتا ہوں۔''

نوم چومسکی نے اپنا پہلا مضمون دس سال کی عمر میں سقوط بارسلونا (اسپینی خانہ جنگی) کے بعد فسطائیت کے فروغ کے بارے میں لکھا۔ بارہ تیرہ سال کی عمر سے وہ ''نراجی'' سیاست کے حامی بن گئے۔ اس وقت تک انہوں نے ٹالسٹائی، ترگنیف، دوستوئیفسکی، جارج ایلیٹ، جین آسٹن، چارلس ڈکنز، وکٹر ہیوگو، ایمائیل زولا اور مارک ٹوئین جیسے نام ور ادیبوں کی منتخب کتاب کا مطالعہ مکمل کر لیا تھا۔ پھر بائیں بازو اور اشتراکیت سے متعلق کلیدی کتابیں بھی ان کے مطالعے میں آئیں اور انہوں نے روزا لکسمبرگ، برٹرینڈ رسل اور جارج آرویل کی کتابیں بھی پڑھیں اور اس طرح ان کی فکر کی تشکیل پذیری کا عمل تیزی سے آگے بڑھا، ابتدا میں انہوں نے امریکا میں مقیم اشتراکی یہودیوں کی تنظیم کی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیا، لیکن پھر اپنے لیے الگ راستہ منتخب کر لیا۔ اس زمانے میں وہ مارکسی نظریات کے مقابلے میں انارکسٹ نظریات سے زیادہ متاثر ہوئے۔ آج وہ خود کو ''آزادی پسند سوشلسٹ'' کہتے ہیں، مارکسزم کے بارے میں اپنے تحفظات کا کھل کر اظہار کرتے ہیں اور اسٹالن ازم پر شدید تنقید کرتے ہیں۔

1945 میں انہوں نے یونیورسٹی آف پینسلوانیا میں فلسفے اور لسانیات کی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا، جہاں انہیں سی ویسٹ چرچ مین اور نیلسن گڈ مین جیسے ممتاز فلسفیوں اور زیلگ ہیرس جیسے نام ور ماہر لسانیات کی رہنمائی حاصل ہوئی۔ زبان کے ریاضیاتی ڈھانچے کے بارے میں پروفیسر زیلگ ہیرس کی تھیوری اور ان کے سیاسی خیالات نے چومسکی کے لسانی نظریات کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ 1949 میں ماہر لسانیات کرل شاٹز سے ان کی شادی ہوئی۔ ان کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔

چومسکی نے 1955 میں یونیورسٹی آف پینسلوانیا سے علم لسانیات میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ڈاکٹریٹ کے تھیسس میں ان کے نئے لسانی نظریات کی اولین جھلک نمایاں نظر آتی ہے، جسے 1957 میں انہوں نے اپنی مشہور زمانہ کتاب Syntatic Structure میں زیادہ تفصیل سے پیش کیا۔ 1955 ہی میں انہوں نے میساچوسٹس انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور 1961 میں انہیں ''جدید زبانوں اور لسانیات'' کے شعبے میں ''فل پروفیسر'' بنا دیا گیا۔ 1967 میں انہیں ''انسٹی ٹیوٹ پروفیسر'' کا مرتبہ حاصل ہو گیا اور وہ گزشتہ پچاس سال سے اس ادارے سے منسلک ہیں۔ اس دوران علمی کام کے ساتھ انہوں نے سیاست میں بھی دل چسپی لینی شروع کی اور لسانیات اور Cognitive Psychology کے ساتھ عصر سیاست کے میدان میں بھی سرگرم عمل ہو گئے۔ عام لوگوں اور سیاسی حلقوں کے درمیان وہ اس نسبت سے زیادہ مقبول اور مشہور ہوئے۔ انہوں نے جنگ ویت نام میں امریکا کی جارحیت کو مطعون کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا اور اس ضمن میں ان کے مضمون

’’دانش وروں کی ذمے داری‘‘ نے دانش وروں کو بیدار کرنے میں ایک اہم قوت محرکہ کا کام انجام دیا۔ وہ ستر سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں اور اس کے علاوہ ایک ہزار سے زائد مقالے تحریر کر چکے ہیں۔ ان کی متعدد کتابوں کو ’’بیسٹ سیلر‘‘ کی حیثیت حاصل ہے جن میں:

What Uncle Sam Really Wants

Manufacturing Consent

Nine Eleven

Understanding Pawer اور

Language & Politics کو دنیا بھر کے امن و انصاف پسند قارئین کے درمیان نصابی درجہ مل چکا ہے۔

برٹرینڈ رسل ان کی آئیڈیل شخصیت ہیں، جن کی تصویر ان کے دفتر میں ہر وقت سجی رہتی ہے۔ پروفیسر چومسکی کو عصری سیاست پر لیکچر دینے کے لیے دنیا بھر میں مدعو کیا جاتا ہے اور وہ اس قدر مصروف ہوتے ہیں کہ اکثر دو تین سال تک ان سے تاریخیں نہیں ملتیں۔ تاہم امریکا کے انتہا پسند حلقے انہیں پسند نہیں کرتے، کیوں کہ وہ امریکا کی بالادستی کی سیاست کو پوری قوت سے اپنا نشانہ بناتے ہیں۔ 9/11 کے بعد امریکا کے جنگی جنون کو نوم چومسکی نے جس پیمانے پر بے نقاب کیا ہے اس کی کوئی نظیر نظر نہیں آتی۔ چومسکی کتنے بلند پایہ ہیں اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے نظریات کے لیے ’’چومسکین نظریات‘‘ کی اصطلاح عام ہو چکی ہے۔ وہ ’’مابعد ساختیات‘‘ اور ’’مابعد جدیدیت‘‘ کی اصطلاحات کو سائنسی اصولوں سے روگردانی کے مترادف قرار دیتے ہیں۔ لسانیات اور سیاسیات کے علاوہ ریاضیات، علم نفسیات اور کمپیوٹر سائنس میں بھی ان کے نظریات نے فکر کے نئے در روشن کیے ہیں۔ 1984 میں میڈیسن اور طبعیات کے شعبے میں نوبل انعام پانے والے نام ور سائنس داں نیلس کے جرن نے لسانیات میں چومسکی کے وضع کردہ Generative Grammar کے نظریات کو سامنے رکھتے ہوئے انسانی جسم کے مامونی نظام کے نئے گوشے وا کیے ہیں! نم چمپسکی نامی چمپانزی جس نے ASL (نشانات والی زبان) کے 125 نشانات سیکھ کر سب کو حیرت میں ڈال دیا تھا، اس کا نام چومسکی ہی کے نام سے اخذ کیا گیا تھا۔

نوم چومسکی کے انقلاب پرور علمی اور سائنسی نظریات کی اہمیت سے متعلقہ شعبوں کے ماہرین زیادہ واقف ہیں۔ تاہم نوم کے نزدیک یہ اعزاز زیادہ اہمیت رکھتا ہے کہ دنیا بھر کے سام راج دشمن سیاسی حلقے نہیں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ محض ایک سائنسی مفکر نہیں ہیں بلکہ سیاست کے شعبے میں ان کے نظریات نے ایک عالم کو اپنا اسیر بنا رکھا ہے۔ امریکی سام راج، سرمایہ داری نظام اور اسرائیلی جنون کے خلاف ان کی کتابوں نے دنیا بھر میں تہلکہ مچا رکھا ہے۔ اگرچہ وہ ایک امریکی شہری ہیں لیکن وائٹ ہاؤس نے اپنے ہم نوا دائیں بازو کے میڈیا کے ذریعے انہیں مطعون کرنے کی مہم چلا رکھی ہے۔ اسٹیبلشمینٹ کے وفادار میڈیا میں ان کی تحریروں کا داخلہ ممنوع ہے، اگرچہ وہ متعدد بیسٹ سیلر کتابوں کے خالق ہیں، جن کا ترجمہ دنیا کی بیش تر زبانوں (بعض کتابوں کا ترجمہ اردو میں بھی ہو چکا ہے۔ ان کی اکثر تحریریں Z Magazine کی ویب سائٹ اور Chomsky info پر موجود ہیں۔

چند برس قبل ایک مشہور تنظیم کی جانب سے ’’عالمی حکومت‘‘ کے قیام کے لیے جن گیارہ ممتاز شخصیات کا انتخاب کیا گیا ان میں نوم چومسکی چوتھے نمبر پر آئے۔ ’’ڈکشنری آف ماڈرن امریکن فلاسفرز‘‘ میں انہیں امریکی خارجہ پالیسی کے تناظر میں بائیں بازو کا سب سے زیادہ بااثر فلاسفر قرار دیا گیا ہے۔

1981 چومسکی کا کہنا ہے کہ دنیا میں دہشت گردی کا سب سے بڑا منبع بڑی طاقتیں ہیں جن کی قیادت امریکا کے ہاتھ میں ہے۔ چومسکی کہتے ہیں کہ دہشت گردی بعض معروضی کارروائیوں کے اظہار کا نام ہے، خواہ دہشت گرد کوئی حکومت ہو یا کوئی فرد۔ ’’نظریہ سازی کے سسٹم‘‘ پر طاقت وروں کا کنٹرول ہوتا ہے، اس لیے ان کی دہشت گردی کو دہشت گردی قرار نہیں دیا جاتا۔ اس اعتبار سے نازیوں کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ وہ دہشت گردی نہیں کر رہے ہیں بلکہ مقامی آبادی کو مخصوص مفادات رکھنے والے لوگوں کی دہشت گردی سے محفوظ کرنا چاہتے ہیں۔‘‘

چناں چہ چومسکی اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ امریکی دہشت گردی کا مقصد بڑی دہشت گردی کا خاتمہ کرنا نہیں بلکہ یہ مخصوص مفادات کا کھیل ہے اور اس لیے قابل مذمت ہے۔ امریکا اقتصادی اور فوجی ذرائع استعمال کر کے پوری دنیا کو اطاعت گزار کی حیثیت سے اپنے گرد جمع کرنا چاہتا ہے۔ امریکی حکومت نے ویت نام میں جنگ اس لیے چھیڑی کہ شمالی ویت نام کی سوشلزم پسندی امریکا کے اقتصادی مفادات سے متصادم تھی۔ اپنی ایک مشہور تحریر What Uncle Sam Really Wants میں چومسکی نے لکھا ہے کہ گوانٹے مالا، لاؤس، نکاراگوا، گریناڈا اور عظیم تر ہند چینی میں امریکا کی مداخلت کا مقصد یہی تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ سرد جنگ کی امریکی پالیسیاں محض سوویت یونین کے خوف کے باعث وجود میں نہیں آئی تھیں بلکہ دنیا پر نظریاتی اور اقتصادی تسلط قائم کرنے کے لیے تشکیل دی گئی تھیں۔ تاہم وہ امریکی شہریوں کو حاصل آزادی اظہار کو پسند کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کے نزدیک یہ آزادی حکومت کا عطیہ نہیں بلکہ امریکا کی عوامی تحریکوں کا ثمر ہے۔

عالم گیریت (Globalization) کی تحریک کے پس پردہ مقاصد کو بے نقاب کرنے میں چومسکی نے کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ اس تصور کو انہوں نے ’’پرانی شراب نئی بوتلیں‘‘ سے تعبیر کیا ہے۔ ان کے نزدیک ’’برگزیدہ‘‘ طاقتوں کا مقصد ہمیشہ یہ رہا ہے کہ عام لوگ پالیسی سازی کے عمل میں داخل نہ ہوسکیں۔ وہ کہتے ہیں، ’’اب طاقت کے مراکز بین المملکتی کارپوریشنیں اور بینک ہیں جو اپنا تسلط قائم کرنے کے لیے ایسے ادارے تشکیل دے رہے ہیں جو ان کے عالمی مفادات کا تحفظ کرسکیں۔‘‘

پروفیسر چومسکی کا کہنا ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد عالمی مالیاتی فنڈ اور عالمی بینک جیسے عالمی اقتصادی اداروں کو Coopt کرنے کا عمل شروع ہوا، جو واشنگٹن کی وضع کردہ پالیسیوں پر چلتے ہیں۔ ان پالیسیوں کا مقصد ترقی پذیر ممالک کے لیے اخراجات کی حدود معین کرنا اور انہیں سماجی بہبود کے پروگراموں کو محدود رکھنے پر مجبور کرنا ہے۔ دوسری طرف NAFTA, GATT, WTO اور MAI جیسے عالمی اداروں کی تشکیل کا مقصد ’’برگزیدہ‘‘ طاقتوں کے لیے مراعات حاصل کرنے اور جمہوریت کو تباہ کرنے کے لیے نئے ذرائع فراہم کرنا ہے۔ اس طرح غریب تر ممالک پہلی دنیا کے لیے محض سستی محنت، خام مال اور سرمایہ فراہم کرنے کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ گویا عالم گیریت چیزوں کے عالمی رنگ میں ڈھلنے کا نہیں بلکہ کارپوریشنوں کے مرتب کردہ اقتصادی ارتباط کا نام ہے۔ اس لیے نام نہاد عالم گیریت کا مقصد دنیا میں سماجی اور اقتصادی انصاف فراہم کرنا نہیں بلکہ بالادست اقوام کی اجارہ داری قائم کرنا ہے۔ ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن (WTO) کے مقاصد اور ترقی پذیر اور پس ماندہ ممالک کی اقتصادیات پر اس کے منفی اثرات کے خلاف عالمی پیمانے پر احتجاج کا جو سلسلہ جاری ہے اس کے لیے بھی چومسکی کی تحریروں نے نظری (Theoritical) بنیاد فراہم کرنے میں مرکزی کردار ادا کیا ہے، کیوں کہ ابتدا میں ڈبلیوٹی او کے

خوش رنگ دعووں کی اصلیت سے واقفیت کا دائرہ خاصا محدود تھا۔

نوم چومسکی ''کارپوریٹ اسٹیٹ کیپٹل ازم'' کی مخالفت کرتے ہیں جس کے سرغنہ امریکا اور اس کے اتحادی ہیں۔ وہ مشہور روسی مفکر، میخائل باکونن کے بعض انارکسٹ تصورات کی تائید کرتے ہیں جن کے تحت پیداوار پر مالکان اور منیجروں کے کنٹرول کے بجائے خود کارکنوں اور مزدوروں کا کنٹرول ہونا چاہیے۔ وہ اس تصور کو حقیقی سوشلزم قرار دیتے ہیں اور سوویت طرز کے سوشلزم کی مطلق العنانیت پر مبنی کنٹرول کو امریکی طرز کی سرمایہ داری کے مماثل قرار دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ دونوں سسٹم تنظیم اور کارکردگی کے بجائے کنٹرول کی اقسام اور سطحوں پر اپنی بنیاد رکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ باکونن کے تبصرے یہ سمجھنے میں مدد فراہم کرتے ہیں کہ بعد میں سوویت یونین نے ایک ''وحشیانہ'' پولیس اسٹیٹ کی شکل کیسے اختیار کی۔ اس سلسلے میں وہ باکونن کے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں کہ ''آپ سب سے زیادہ پر جوش اور سرگرم انقلابی کو مطلق اختیارات دے دیں گے تو وہ بھی زار سے زیادہ خوف ناک ہو جائے گا!'' وہ اپنی مشہور کتاب Reasons of State میں لکھتے ہیں کہ ''سرمایہ داری نظام میں محنت کش ''اجرتوں کے غلام'' (Wage Slaves) ہوتے ہیں۔ ہر ملک کے عوام کو اپنی پسند کا کام منتخب کرنے کی آزادی ہونی چاہیے۔ اس طرح ان کا کام انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر ثمر آور ثابت ہوگا اور معاشرہ ایک پرامن انارکزم (نراجیت) کے تحت رواں دواں ہوگا، جس میں کئی ریاستی یا سرکاری ادارے نہیں ہوں گے اور ایسے کام جو عام طور پر ہر شخص کے لیے بےزار کن ہوتے ہیں سب میں مساوی طور پر تقسیم کر دیے جائیں گے۔''

میڈیا کی کارکردگی اور طرز عمل کے بارے میں چومسکی اور ان کے ساتھی، ایڈورڈ ایس ہرمن کی بیسٹ سیلر کتاب MANUFACTURING CONSENT کا دنیا کی تمام بڑی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس میں انہوں نے اس بات کا تجزیہ کیا ہے کہ ماس میڈیا (خاص طور پر امریکا میں) کس طرح کام کرتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ میڈیا کارپوریشنوں اور حکومتوں کے مفادات کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے اظہار رائے کی راہ میں رکاوٹیں حائل کرتا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ مطلق العنان حکومت کے تحت عام لوگوں پر دباؤ ڈالنے کے لیے جسمانی تشدد بھی کیا جاتا ہے۔ لیکن امریکا میں کنٹرول کے لیے عدم تشدد پر مبنی سبک طریقے اختیار کیے جاتے ہیں اور اس سلسلے میں سب سے زیادہ اہمیت ''پروپیگنڈے'' کو دی جاتی ہے جس پر ہر قسم کے وسائل فیاضی سے استعمال کیے جاتے ہیں اس طرح حقائق اور تجزیوں میں بڑی چالاکی سے قاری یا ناظر کے ذہنوں میں مخصوص تصورات اور تعصبات جاگزیں کر دیے جاتے ہیں۔ انہوں نے نشان دہی کی ہے کہ پروپیگنڈے کے اس سوچے سمجھے نظام کے تحت تمام مطبوعہ خبریں پانچ ''فلٹروں'' سے گزر کر سامنے آتی ہیں۔

پہلی فلٹر اونر شپ (ملکیت) سے تعلق رکھتا ہے، میڈیا کے بیش تر ذرائع بڑی کارپوریشنوں کی ملکیت میں ہیں، جو اپنے مخصوص مفادات رکھتی ہیں۔

دوسرا فلٹر فنڈنگ کا ہے۔ میڈیا اپنے بیش تر فنڈ قارئین سے نہیں بلکہ اشتہارات سے حاصل کرتا ہے۔ چوں کہ اشتہارات دینے والے منافع آور تجارت کرتے ہیں اور ان کی مصنوعات قارئین اور ناظرین کو فروخت ہوتی ہیں اس لیے اشتہارات دہندگان ان سے اس قسم کی خبریں چھاپنے کی توقع رکھتے ہیں جن سے ان کے کاروبار کے لیے راہ ہموار ہو سکتی ہو۔

تیسرا فلٹر یہ ہے کہ نیوز میڈیا کی خبروں کا ایک بڑا ذریعہ سرکاری ادارے اور بڑے تجارتی ادارے ہیں، جو شدید تعصبات اور پسند و ناپسند کے اپنے پیمانے رکھتے ہیں۔

چوتھا فلٹر مختلف پریشر گروپوں سے تعلق رکھتا ہے جو اپنے مفادات سے متصادم میٹر چھپنے پر میڈیا پر دباؤ ڈالتے ہیں۔

پانچواں فلٹر صحافت کے پیشے سے وابستہ لوگوں کے درمیان صحافتی ضوابط کے مشترکہ تصورات سے تعلق رکھتا ہے۔ ان ضابطوں کی زد میں آ کر بھی بہت سے حقائق دھندلا جاتے ہیں یا منظر عام پر نہیں آتے۔

چومسکی کہتے ہیں اس طریقہ کار کے تحت بہ ظاہر کسی سازش کا نشان نظر نہیں آتا، پھر بھی بڑی چالاکی سے طبقہ اشرافیہ کے خیالات کے لیے ہم نوائی کی فضا تیار کر لی جاتی ہے۔ چومسکی اور ہرمن نے اپنا نقطہ نظر بعض مثالوں سے بھی ثابت کیا ہے۔ مثال کے طور پر اگر سرکاری دشمن کوئی منفی کام (جیسے کسی مذہبی شخصیت کا قتل) کرتا ہو تو پریس اس بارے میں پوری گہرائی کے ساتھ چھان بین کرتا ہے اور اسے بہت زیادہ کوریج دیتا ہے لیکن جب یہی عمل اپنی حکومت (یا اپنے اتحادی) سے سرزد ہوتا ہے تو پریس کہانی کو سات پردوں میں چھپا کر پیش کرتا ہے۔ ویت نام کی جنگ آزادی میں امریکی پریس نے اسی نسخے کے تحت بڑی اطاعت گزاری کے ساتھ حقائق چھپانے اور امریکی انتظامیہ کے حق میں رائے ہموار کرنے کا فریضہ انجام دیا۔ چومسکی اپنے تصور کی تائید میں ٹھوس مثالیں پیش کرتے ہیں کہ میڈیا کسی طرح مخصوص معاملات کو شد و مد کے ساتھ اٹھاتا ہے اور کس طرح بعض معاملات کی شدت کا تاثر گھٹا دیتا ہے۔ مثال کے طور پر جب 1977 کے اوائل میں مغربی میڈیا کمبوڈیا میں کھمیر وج کے مظالم کا زور و شور سے پروپیگنڈا کر رہا تھا تو وہ امریکا کے اتحادیوں، جنوبی کوریا اور چلی میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کو خاطر خواہ کوریج نہیں دے رہا تھا۔

چومسکی ایک یہودی گھرانے میں پیدا ہوئے، ان کے والد کا شمار عبرانی زبان کے نام ور عالموں میں ہوتا تھا اور وہ ایک مذہبی اسکول میں درس و تدریس کا فرض انجام دیتے تھے۔ اس کے باوجود چومسکی فلسطینیوں اور پڑوسی عرب ریاستوں کے سلسلے میں اسرائیل کی پالیسیوں کی شدت سے مخالفت کرتے ہیں اور اسرائیل کے حکمراں طبقے بھی انہیں اپنے کٹر دشمنوں میں شمار کرتے ہیں جو حلقے اسرائیل کی پالیسیوں اور اس ضمن میں امریکی تعاون کی مذمت کرتے ہیں ان میں چومسکی کی کتاب The Fateful Triangle کو بنیادی دستاویز کی حیثیت حاصل ہے جس میں امریکا اور اسرائیل کے گٹھ جوڑ کو ٹھوس مثالوں کے ذریعے بے نقاب کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اسرائیل ریاستی دہشت گردی کو پروان چڑھا رہا ہے اور جنوبی افریقا کے نسل پرستوں کے علاوہ لاطینی امریکا میں امریکا کی حامی دہشت گرد قوتوں کو اسلحہ بھی فروخت کرتا رہا ہے۔ وہ اسرائیل کو MERCENARY ریاست قرار دیتے ہیں اور الزام لگاتے ہیں کہ اسرائیلی حکمراں ایک اسرائیلی ''اسپارٹا'' کی تشکیل میں مصروف ہیں۔ وہ امریکا کے ان یہودی باشندوں کو بھی مطعون کرتے ہیں جو اسرائیل کے حق میں امریکی حمایت حاصل کرنے کے لیے سرگرم رہتے ہیں۔

پروفیسر چومسکی علمی درس گاہوں سے وابستہ دانش وروں پر سخت تنقید کرتے ہیں، جو خود کو ایک ممتاز طبقہ تصور کرتے ہوئے ناقابل فہم زبان استعمال کرتے ہیں اور طبقاتی امتیاز کو پروان چڑھانے کا باعث بنتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ محض خام خیالی ہے کہ یہ لوگ معاشرے کے دوسرے افراد کے مقابلے میں زیادہ وقیع اور گہری فکر کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ''دراصل دانش ور کا لفظ (یا درجہ) محنت کی دانش ورانہ تقسیم کی حقیقت کو دھندلا دیتا ہے۔ ایسے الفاظ مضحکہ خیز ہوتے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ دانش اور ہونا اور دماغ سے کام لینا بڑی حد تک ہم معنی الفاظ نہیں ہیں بلکہ یہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ میرے خیال میں صنعت و حرفت اور اس جیسے دوسرے شعبوں میں کام کرنے والے بہت سارے لوگ یونیورسٹیوں میں کام رکھنے والے لوگوں جتنا یا ان سے بھی زیادہ دانش ورانہ کام کرتے ہیں۔ درس گاہوں کے بہت سے شعبوں میں جسے دانش ورانہ کام قرار دیا جاتا ہے وہ محض کلرکانہ (Clerical) کام ہے اور میرے خیال میں کلرکانہ کام کسی گاڑی کا انجن نصب کرنے کے کام سے زیادہ چیلنجنگ نہیں ہے۔ چومسکی لکھتے ہیں ''اگر دانش ور سے آپ کی مراد ایسے لوگ ہیں جو ایک خاص طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو افکار مسلط کرنے کا کاروبار کرتے ہیں اور برسر اقتدار حلقوں کے لیے تصورات اور نظریات تشکیل دیتے ہیں اور ہر ایک کو یہ

بتاتے پھرتے ہیں کہ ان کا نظریہ کیا ہونا چاہیے، وغیرہ وغیرہ، تو یہ ایک مختلف بات ہوگی۔ ان لوگوں کو دانش ور کہا جاتا ہے لیکن وہ سیکولر پادریوں سے مشابہت رکھتے ہیں جن کا کام سماج کی (Doctorinal سچائیوں کو تھامے رہنا ہے اور اس لحاظ سے لوگوں کو معاند دانش ور ہونا چاہیے۔ میرے خیال میں یہ ردعمل صحت مندانہ ہوگا۔ وہ کہتے ہیں میں سادہ زبان استعمال کرتا ہوں اور مجھے کم پڑھے لکھے اور ان پڑھ لوگوں تک سے خطاب کرتے وقت کبھی مشکل پیش نہیں آئی۔ جو لوگ اپنے خیالات کو ''تھیوری'' اور ''فلسفے'' کے طور پر پیش کرنے کے عادی ہیں وہ خود پسند ہوتے ہیں اور ستایش باہمی کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اسے جعلی اور ''سائنٹیفک ملمع سازی'' ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔

''پس ساختیت'' کے علم برداروں اور اس قسم کے دیگر نظریات پر چومسکی شدید الفاظ میں تنقید کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں، ''ان میں سے کسی سے دیریدا کے تازہ مضمون کا مفہوم جاننے کی کوشش کیجیے وہ آپ کو نہیں سمجھا سکتے۔ جب میں نے دیریدا اور لوکاں جیسے لوگوں کی تحریروں کا مطالعہ کیا تو میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔ بس یوں محسوس ہوا جیسے خالی الفاظ میری نظروں کے سامنے سے گزرتے جارہے ہیں۔ ان کے دلائل میرے لیے ناقابل فہم ثابت ہوئے۔ وہ دلائل ہی نہیں تھے۔

تاہم ایک بلند قامت عالم اور ماہر لسانیات ہونے کے باوجود بھی چومسکی اس قسم کے موضوعات میں الجھنا پسند نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں، میری نظر میں اس قسم کے کیریرسٹ دانش ور، جو ایک غیر دل چسپ دائرے میں محبوس رہتے ہیں، کے خصائص کے بارے میں جستجو رکھنے سے زیادہ اہم کام اس دنیا میں موجود ہیں۔ دراصل چومسکی کے نزدیک وہی دانش ور قابل تکریم ہیں جو معاشرے میں ناانصافیوں کے خلاف آواز اٹھانے کی جرأت رکھتے ہیں۔

جنگ ویت نام کے خلاف تحریک چلانے والوں میں جہاں برٹرینڈ رسل اور ژاں پال سارتر جیسے بلند قامت ادیبوں کا نام شامل ہے وہیں نوم چومسکی نے بھی امریکی جارحیت کو بے نقاب کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ امریکا کے عوام سچی خبروں سے محروم تھے۔ کیوں کہ حسب معمول امریکی میڈیا ''مادر وطن کی عظمت'' کا علم اٹھائے ہوئے تھا۔ اس عالم میں چومسکی نے امریکی دانش وروں کو جھنجھوڑا۔ 1967 میں ان کا مندرجہ بالا مضمون ''نیویارک ریویو'' میں شایع ہوا تو وائٹ ہاؤس میں بھونچال آگیا۔ کیوں کہ یہ وہ دور تھا جب امریکی انتظامیہ فوج کے لیے جبری بھرتی کا قانون نافذ کرچکی تھی۔ چومسکی نے یاد دلایا کہ ناجائز سرکاری پالیسیوں کو مسترد کرنے کے سلسلے میں عام شہریوں کے مقابلے میں دانش وروں پر زیادہ ذمے داری عاید ہوتی ہے۔ انہیں سچ بولنا چاہیے اور جھوٹ کو بے نقاب کرنا چاہیے۔'' اس مضمون کی اشاعت کو ایک تاریخی واقعہ قرار دیا گیا اور دانش وروں اور طلبہ نے بڑے پیمانے پر اس جنگ کے خلاف احتجاجی پروگرام منظّم کرنے کا سلسلہ شروع کردیا۔ نیویارک یونیورسٹی میں شعبہ فلسفہ کے نام ور چیئرمین، ریزیل ایبلسن نے لکھا ''ویت نام میں امریکی جارحیت کے خلاف اس قدر طاقت ور، پراثر اور مدلل مضمون میں نے آج تک نہیں پڑھا۔'' جنگ ویت نام کے خلاف چومسکی نے احتجاجی مظاہروں میں عملی طور پر بھی حصہ لیا اور اس کی پاداش میں انہیں جیل بھی جانا پڑا۔

چومسکی کی راست گفتاری کے باعث امریکا کے بڑے اخبارات وجرائد اور ٹی وی چینل عام طور پر ان کے مضامین اور گفتگو منظر عام پر لانے سے گریز کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر نیویارک ٹائمز جسے اسٹیبلشمنٹ کا حامی اخبار قرار دیا جاتا ہے، چومسکی کو اپنے صفحات پر جگہ دینے سے شرماتا ہے۔ البتہ ان کے خلاف تنقیدی مضامین سرگرمی سے چھاپتا ہے۔ اسی طرح مشہور طباعتی ادارے بھی ان کی کتابیں چھاپنے سے انکار کرتے ہیں۔ چومسکی کے مخالفین کا کہنا ہے کہ چوں کہ وہ اسرائیلی پالیسیوں کو تندوتیز لب ولہجے میں تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اس لیے مین اسٹریم میڈیا میں ان کی تحریروں کا داخلہ ممنوع قرار پایا ہے۔ چناں چہ ان کی تحریریں زیادہ تر Alternate میڈیا کے ذریعے سامنے آتی ہیں۔ تاہم ان تمام رکاوٹوں کے باوجود ان کی متعدد کتابیں بیسٹ سیلر کی فہرست میں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ Z Magazine میں انٹرنیٹ پر دنیا بھر کے کروڑوں قارئین ان کی تحریریں ڈھونڈ ڈھونڈ کر پڑھتے ہیں۔ خود ''نیویارک ٹائمز بک ریویو'' میں نام ور مصنف پال رابنسن نے ان کی ایک کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا، ''اپنی فکر، طاقت، اثر پذیری، ندرت اور ہمہ جہتی کے باعث نوم چومسکی آج کی دنیا کے سب سے اہم دانش ور ہیں!'' جب سے چومسکی کی کتاب 9/11 کو بیسٹ سیلر کی حیثیت حاصل ہوئی ہے مین اسٹریم امریکی میڈیا ان کی طرف زیادہ مائل ہونے لگا ہے، حتیٰ کہ نیویارک ٹائمز نے مئی 2002 میں ایک مضمون شایع کیا، جس میں یہ اعتراف کیا گیا کہ یہ کتاب بے حد مقبول ہوچکی ہے۔ پھر اسی اخبار نے ان کا ایک مضمون بھی شایع کیا، جس میں فلسطینیوں کی سرزمین پر اسرائیلی قبضے کو ہدف تنقید بنایا گیا ہے۔

ARTS HUMANITIES CITATION INDEX کے مطابق، 1982-92 کے دوران کسی بھی زندہ عالم کے مقابلے میں چومسکی کو سب سے زیادہ خراج تحسین پیش کیا گیا، اور اگر مجموعی طور پر دیکھا جائے تو وہ ان آٹھ مقبول عالموں کی فہرست میں آتے ہیں، جن کے مداحوں کا دائرہ سب سے زیادہ وسیع ہے۔ دنیا کی 25 اعلیٰ ترین یونیورسٹیاں انہیں آنریری ڈگریاں دے چکی ہیں۔ وہ امریکن اکیڈمی آف آرٹس اینڈ سائنسز اور نیشنل اکیڈمی آف سائنس کے فیلو اور دنیا بھر کی متعدد علمی سوسائٹیوں کے رکن ہیں۔

علم لسانیات میں پیش رفت

....

پروفیسر چومسکی کو عام طور پر ایک بلند پایہ سیاسی انحراف کار (Political dissenter) کی حیثیت سے زیادہ شہرت حاصل ہے، اور دیگر شعبوں میں ان کے انقلاب انگیز علمی کارناموں کی تفصیل سے صرف خواص یا متعلقہ شعبوں کے لوگ ہی واقف ہیں۔ انہوں نے علم لسانیت، نفسیات اور فلسفے کی دنیا میں اپنے جدید تصورات سے انسانی فکر کے لیے جو نئے زاویے تراشے ہیں، ان سے بعض قدیم نظریات کی خامیاں بے نقاب ہوئی ہیں اور ایک ایسی نئی بنیاد کے اسباب بھی فراہم ہوئے ہیں، جو انسانی ذہن کی پیش رفت کے لیے ایک نئی سمت متعین کرتی ہے۔

علم لسانیات میں چومسکی کے نظریاتی تجزیے کا ماحصل یہ ہے کہ انسانی زبان دراصل ایک ہی ہے، اور مختلف زبانوں کی بہ ظاہر مختلف ساختیں ایک ہی موضوع کی مختلف النوع صورتیں ہیں۔ ہمارے علم کا بیش تر حصہ جینیاتی طور پر پہلے سے متعین ہے اور لاشعوری علم دراصل اس صلاحیت کی بنیاد بنتا ہے، جس کے سبب ہم بول اور سمجھ سکتے ہیں۔ انسان کوئی بھی زبان تربیت سے نہیں بلکہ میل جول سے سیکھتا ہے۔ انسان کو زبان توتے کی طرح رٹائی نہیں جاسکتی بلکہ وہ محدود میل جول سے ایک ایسی زبان سیکھ لیتا ہے، جسے وہ لامحدود مقاصد کے لیے استعمال کرسکتا ہے۔ ایک بچہ مختصر عرصے میں فنکشنل لینگویج سیکھ لیتا ہے تو اس لیے کہ اس کے ذہن میں دوسرے تمام انسانوں کی طرح زبان کا ایک عالمی (Univeral) ڈھانچا موجود ہوتا ہے۔

اسی خیال کی بنیاد چومسکی نے اپنا یونیورسل گرامر کا نظریہ وضع کیا، جسے لسانیت کی دنیا میں ایک اہم پیش رفت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تاہم، پس جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے علم برداروں نے چومسکی کے لسانی

انکشافات کی بنیاد پر متن کی تشریح وتعبیر کا جو نظریہ آگے بڑھایا، چومسکی اسے خاطر میں نہیں لاتے، کیوں کہ ان کے نزدیک یہ ایک گم راہ کن نظریہ ہے۔ وہ کہتے ہیں، ہم جن خیالات کو درست سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں، وہ بڑی حد تک کسی نہ کسی پروپیگنڈے کا نتیجہ ہوتا ہے۔

زبانوں کی اندرونی ساخت میں مماثلت کے بارے میں چومسکی کی دو کتابیں، Syntatic Structures اور Generative Grammar کو اس درجہ کلیدی حیثیت حاصل ہے کہ کمپیوٹر لینگو یج کی اعلیٰ تعلیم میں بھی ان کا مطالعہ ناگزیر سمجھا جاتا ہے اور علم ریاضیات اور علم نفسیات کی تفہیم میں بھی ان تصورات کو ایک معاون ذریعہ قرار دیا جاتا ہے۔

پروفیسر نوم چومسکی کے علمی، سیاسی، سماجی اور ثقافتی افکار اس درجہ ہمہ گیر اور اثر انگیز ہیں کہ ایک تجزیے کے مطابق آج وہ دنیا بھر میں حوالے کا سب سے بڑا ماخذ بن چکے ہیں۔ اور کارل مارکس، شیکسپیئر اور انجیل کے بعد ان کے افکار و خیالات کا سب سے زیادہ حوالہ دیا جاتا ہے۔ چومسکی بولتے اور لکھتے وقت سادہ زبان استعمال کرتے ہیں۔ تقریر کرتے ہوئے ان کا لب ولہجہ بالکل خشک، سپاٹ اور نرم ہوتا ہے۔ تاہم، تقریر اور تحریر دونوں میں ٹھوس واقعات اور حقائق کا حوالہ اس قدر جان دار اور پرکشش ہوتا ہے کہ ان کا سامع اور قاری اس میں ڈوب کر رہ جاتا ہے۔ ان کے خیالات میں ابہام اور الجھاؤ کی ہلکی سی رمق بھی نظر نہیں آتی۔ وہ بے لاگ گفتگو کرتے ہیں اور واضح الفاظ لکھتے ہیں۔ ان کے دلائل اس قدر راست اور وقیع ہوتے ہیں کہ مخالفین بغلیں جھانکنے لگتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے عاشقوں کا دائرہ پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے اور سام راج، اس کے مغربی حلیف اور صیہونی جنونی ان سے خائف رہتے ہیں۔

....

باکس

پروفیسر چومسکی کی تحریروں سے چند اقتباسات

....

''قتل وغارت گری، مار پیٹ، آنسو گیس، اجتماعی گرفتاریاں، بے دخلیاں، مکانوں کا انہدام، کرفیو، اور اجتماعی انتقام کی دیگر روح فرسا اقسام... کون سا حربہ ہے جو اسرائیل نے نہیں اختیار کیا، تاہم اس کے کسی حربے سے فلسطینی عوام نہ تو تابع داری پر مجبور ہوئے اور نہ ہی انہوں نے پرتشدد ردعمل کا اظہار کیا۔ فلسطینی انتفاضہ خود نافذ کردہ اجتماعی نظم وضبط کا ایک قابل تعریف کارنامہ ہے...''

....

''یہ بات حیران کن نہیں کہ امریکا کی ایک گاہک ریاست (اسرائیل) امریکا کا معیاری فوجی نظریہ (جارحیت) اپنائے، جس کی بدولت وہ اب تک اتنے انسانوں کو ہلاک کر چکی ہے کہ ان کا ریکارڈ رکھنا بھی ہول ناک ہے...''

....

''اگر انسانی حقوق کے سب سے بڑے غارت گر دنیا بھر کے جارحین اور وہ لوگ ہیں جو اسلحے کے پھیلاؤ کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں تو پھر ہمیں دنیا کے سب سے بڑے تاجر (امریکا) کے بارے میں کیا طے کرنا چاہیے، جسے اس وقت تیسری دنیا کو ملنے والے نصف سے زاید اسلحے کا فروخت کنندہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے اور جس نے یہ اسلحہ زیادہ تر ظالم آمریتوں کو دیا ہے...''

....

''...اگر آج نورمبرگ قوانین کا اطلاق کیا جائے تو ہر امریکی صدر پھانسی کی سزا کا مستحق قرار پائے گا...''

....

''...دنیا میں بہت سی دہشت گرد ریاستیں ہیں، لیکن امریکا اس اعتبار سے منفرد مقام رکھتا ہے کہ وہ عالمی پیمانے پر دہشت گردی کرنے کو اپنا سرکاری فریضہ قرار دیتا ہے...''

....

''...امریکا دنیا کا واحد ملک ہے، جسے طاقت کا غیر قانونی استعمال کرنے پر (نکاراگوا میں) عالمی دہشت گردی کے جرم میں عالمی عدالت نے مطعون کیا...''

....

''...محنت کشوں کو ایک ایسے ڈھانچے کا غلام بننے پر کیوں مجبور کیا جاتا ہے، جو بنیادی طور پر مطلق العنان ہے۔ اس ڈھانچے کا کنٹرول ان کے پاس ہونا چاہیے جو ادارے ان کی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں، آخر ان کے نظم ونسق میں ان کی آواز کیوں شامل نہ ہو...''

....

''...جنوب کو ایک اطاعت گزارانہ کردار سونپ دیا گیا ہے... وسائل مہیا کرنا، سستی محنت، منڈیا اور سرمایہ کاری کے مواقع فراہم کرنا...''

''...دانش وروں کی روایات یہ ہیں کہ وہ طاقت کی خدمت گزاری کرتے ہیں۔ اگر میں اس سے دامن نہیں چھڑاؤں گا تو مجھے اپنے وجود سے گھن آئے گی...''

''...(یہاں امریکا میں) ہر شخص دہشت گردی کو روکنے کے لیے متفکر ہے۔ اچھا، اس کا طریقہ تو بہت آسان ہے، اس میں حصہ لینا چھوڑ دو...!''

....

''...امریکا میں گزشتہ صدی سے شروع ہونے والا Corporatisation کا عمل جمہوریت پر حملے کے مترادف ہے...''